OPEN ACCESS
Al-Duhaa
﴾Journal of Islamic Studies﴿
ISSN (print): 2710-0812
ISSN (online): 2710-3617
www.alduhaa.com

Al-duhaa, Vol.:3, Issue: 1, Jan -June 2022
DOI:10.51665/al-duhaa.003.01.0207, PP: 569-586

اجتہاد میں تفرد اور شذوذ کا تصور: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

The concept of Tafarrud (Deviation) and Shuzūz (Aberrancy) in Ijtihad: A Critical Study

Published: 01-06-2022
Accepted: 15-05-2022
Received: 31-12-2021

Amjad Hussain
PhD scholar, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad
Email: ahfsdpk@gmail.com
https://orcid.org/0000-0002-0940-5608

Dr. Hafiz Hamid Hammad
Assistant Professor, Assistant professor, Department of Islamic Studies, Government College University Faisalabad
Email: hammad3316@yahoo.com
https://orcid.org/0000-0002-9115-1677

Abstract

Ijtihad plays an important and basic role In Islamic legislation to meet the need of society. Demands of life change day by day thus it become necessary to take on the structural review of Islamic laws keeping in mind the spirit and discipline of Islamic Studies. The Muslim jurists have established and founded important bases and principles in the Jurisprudence and set upon deep principles for legislation and they have already singularity and uniqueness in many of judicial issues it is natural that there be difference of opinion between the jurists. It is called tafarrud when an opinion is far away from other opinions. Now the question is when the jurists dissent which legal opinion should be taken to act upon it if majority of legist have consensus on a certain issue and there are one or a few legists with a different opinion can Mufti in order to remove some difficulties based on that tafarrud or shuzuz? In this article it will be discussed about tafarrud and shuzuz and its rules.

Keywords: *Tafarrud, Shuzuz, Shudud, deviation in Ijtihad, irregularity in ijtihad, aberrancy in ijtihad.*

CC BY

تمہید

اسلام کی ایک مسلمہ خوبی اور کمال وسعت نظر اور تدبر و فکر کا فروغ ہے۔ چونکہ زمانہ کے تغیر پذیر حالات میں دفعِ حرج ضرورت و حاجت، استحسان اور مصالح مرسلہ کی بنیاد پر فکر و نظر کی کشادہ راہوں میں نظریاتی و فکری اختلاف کا پایا جانا ایک بدیہی و یقینی امر تھا۔ اس لئے ہر زمانے میں ان فکری جہات میں علماء و مفکرین کی آراء مختلف رہی ہیں۔ حتی کہ بعض اوقات اس اختلافی خلیج میں اس قدر وسعت آجاتی ہے۔ کہ جمہور فقہاء ایک رائے پر متفق ہوئے ہیں اور اسی مسئلے اور پیش آمدہ صورت میں ایک فقیہ اور مفکر کا اجتہاد ان سب کے مخالف ہوتا ہے۔ اس فقیہ اور مفکر کی اس منفرد رائے اور نقطہ نظر کو اصطلاحی طور پر قولِ شاذ یا تفرد کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن اس منفرد اور الگ قول کو بے حیثیت و بے وقعت شمار نہیں کیا جاتا بلکہ افتاء کے اصول و ضوابط میں اس منفرد اور شاذ قول کو اختیار کرنے اور اس پر فتویٰ دینے کی متعدد صورتیں مذکور ہیں۔

لہٰذا ذیل میں ہم تفرد اور قول شاذ کے معنی و مفہوم کی وضاحت کے ساتھ ساتھ بیان کریں گے کہ قول شاذ پر فتویٰ دینے کے اصول و ضوابط کیا ہیں؟ نیز عصری مسائل اور تغیر پذیر حالات میں اس سے کس حد تک استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ابتداءً ایک قابل فہم امر یہ ہے کہ تفرد اور شاذ باہمی طور پر مترادف ہیں۔ ان میں اگرچہ لغوی اعتبار سے ماخذ اور مصدر کی نسبت سے فرق پایا جاتا ہے۔ مگر اصطلاحی طور سے کوئی تفریق نہیں کی جاتی ہے۔ البتہ قدیم کتب فقہ میں اس منفرد اور الگ تھلگ قول کے لئے لفظ شاذ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور عصری مباحث میں معاصر فقہاء اور مفکرین کے منفرد نقطہ نظر کو تفرد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی لئے معاصر علماء کے منفرد اقوال کو تفردات کے لفظ سے بیان کیا جاتا ہے۔

ذیل میں ہم شاذ و تفرد کے متعلقات کے ضمن میں سب سے پہلے اس کے لغوی معنی و اصطلاحی معنی کو بیان کرتے ہیں۔

شاذ کا لغوی معنی:

عربی زبان میں شاذ کے مفہوم کے متعلق کہا جاتا ہے:

"یقال شذه عنه یشُذُّ و یَشِذُّ شذوذا : انفرد عن الجمهور فهو شاذ([1])

وشذالرجل: اذا انفرد عن اصحابه و کذلک کل شئ منفرد فهو شاذ([2])

ویقال اشذوت یا رجل ، اذا جاء بقول شاذ نادرٍ([3])

"اس بات کا مادہ باب نصر ینصر اور باب ضرب یضرب سے آتا ہے اور جب کوئی فرد جمہور سے الگ ہو جائے تو اسے شاذ کہا جاتا ہے۔ اور "شذ الرجل" تب بولا جاتا ہے جب کوئی اپنے ساتھیوں سے جدا ہو جائے۔ اور ایسے ہی ہر منفرد چیز شاذ کہلاتی ہے۔ اور "اشذذت یا رجل" تب بولا جاتا ہے جب کوئی شخص نایاب اور الگ تھلگ قول کو اختیار کر لے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بنیادی طور پر شاذ کا معنی عام لوگوں سے منفرد اور الگ رائے کا اختیار کرنا ہے۔ اور یہ اس رائے کی بنیاد پر اس شخص کا جمہور یا اپنے ساتھیوں سے الگ ہو جاتا ہے۔

لغوی اعتبار سے یہی معنی تہذیب اللغۃ اور معجم مقاییس اللغۃ میں لکھا گیا ہے۔

یقال شذ الرجل، اذا انفرد عن اصحابه ([4])

شذ یَشِذُّ شذوذًا ، انفرد عن الجمهور فهو شاذ ([5])

یقال الشاذ فی اللغة ب (المطرد) وهو المستمر المتتابع ([6])

"شذ الرجل" تب کہا جاتا ہے جب کوئی فرد اپنے ساتھیوں سے الگ ہو جائے۔ اور باب ضرب یضرب سے اس کا معنی کہ جمہور سے منفرد ہو جانا۔ اور اس منفرد رائے کے حامل فرد کے قول کو شاذ کہا جائے گا اور لغت میں شاذ کا لفظ المطرد کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ اور اس سے مراد سابقہ رائے سے اتفاق کرنے والا اور اس کی پیروی کرنے والا ہے۔

اس بحث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شاذ سے مراد الگ اور منفرد رائے ہے یا اس منفرد رائے کا حامل ہونا ہے۔ اور عموماً اہلِ لغت نے اس کا یہی معنی بیان کیا ہے۔

اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر عبد الرحمٰن بن صالح الدہش لکھتے ہیں

"اتفقت المعاجم اللغوية على ان مادة (شَذَذَ) تدل على الانفراد والمفارقة"([7])

"تمام اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ مادہ منفرد اور جدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاذ کے مندرجہ بالا معنی میں کوئی لغوی اعتبار سے اختلاف نہیں ہے۔

امام سیوطی نے اس کے معنی کی نسبت سے اس کی دو اقسام بیان کی ہیں جیسا کہ وہ الاشباہ والنظائر میں لکھتے ہیں۔

"قسَّم بعضهم الى نادر وهو ما قلَّ وُجُوده وضعيف وهو ما يكون فى ثبوته كلامٌ ک (قرطاس) بالضَّمِّ۔"([8])

"بعض لوگوں نے نے شاذ کی معنی کے اعتبار سے دو اقسام بیان کی ہیں، پہلی قسم نادر ہے یعنی جس کا وجود کم یاب اور نایاب ہو اور دوسری قسم "ضعیف" کے معنی میں ہے اس سے مراد ہے جس کے ثبوت میں کلام ہو جیسا کہ قرطاس کو "ق" کی ضمہ کے ساتھ پڑھنا ہے۔"

اس توضیح سے ثابت ہوتا ہے کہ شاذ کا بنیادی طور پر لغوی معنی اور مفہوم الگ اور منفرد ہونا ہے۔ اور معنوی اقسام کی نسبت سے کبھی نایاب اور کبھی ضعیف کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

شاذ کے لغوی معنی کی توضیح کے بعد اس کے اصطلاحی مفہوم کو بیان کیا جاتا ہے

شاذ کی اصطلاحی تعریف میں چونکہ فقہاء اور اصولیین کا موقف قدرے منفرد ہے اس لئے اس کی توضیح میں اولا فقہاء کے اقوال بیان کئے جاتے ہیں۔

فقہاء کی نظر میں شاذ کی اصطلاحی تعریف:

علمائے فقہ نے شاذ کے اصطلاحی طور پر مختلف معانی مراد لئے ہیں۔ البتہ تمام فقہاء نے اس اصطلاح کو ذکر کیا ہے۔ لہٰذا ہر ایک کے ہاں اس کا ایک متعین مفہوم ہے۔

جیسا کہ ابن حزم اندلسی نے الاحکام فی اصول الاحکام میں لکھا ہے۔

"الشذوذ هو مغارقة الواحد من العلماء وسائرهم "([9])

"کسی ایک عالم کا تمام علماء سے رائے میں الگ ہو جانا شذوذ کہلاتا ہے۔"

غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعریف اعتراض سے محفوظ و مامون نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حزم اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وذلك أن الواحد إذا خالف سائر العلماء لا يخلو ان يكون مصيباً او مخطئًا فان كان مصيبا فهو محمود والشذوذ مذموم بإجماع وقد خالف ابو بكر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ جميع الصحابة فى حرب اهل الردة فكانوا

مخطئین وھو وحدہٗ المصیب۔"([10])

"اس تعریف پر اشکال ہے کہ جب ایک عالم تمام علماء کی مخالفت کرے گا تو یقیناً یا تو حق پر ہوگا یا باطل پر لہٰذا اس کا درستگی پر ہونا تو پسندیدہ ہے۔ اور شذوذ بالاجماع مذموم ہیں۔ جیسا کہ مرتدین کے خلاف جنگ کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق کی رائے تمام صحابہ کرام کے خلاف تھی۔ حالانکہ ان کی رائے درست تھی۔ اور دیگر تمام صحابہ کرامؓ کی رائے وقتی ضرورت کے تحت درست نہ تھی۔ لہٰذا مندرجہ بالا تعریف محل نظر ہے۔

شاذ کی دوسری تعریف ابن قدامہ کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ھو قول الواحد وترک قول الاکثر"([11])

"شاذ کسی ایک فرد کا قول ہوتا ہے۔ جس میں اکثریت کے قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اس تعریف پر بھی وہی اعتراض ہوتا ہے جو اس سے ماقبل تعریف پر ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ تعریف بھی محل نظر ہے۔

علامہ زرکشی شذوذ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ھو ان یجمع العلماء علی امر ما ثم یخرج رجل منھم عن ذالک القول الذی جامعھم علیه "([12])

"شاذ یہ ہے کہ پہلے تمام علماء ایک بات پر متفق ہوں پھر ان لوگوں میں سے جنہوں نے اس قول پر اجماع کیا۔ منفرد قول اختیار کریں۔

اس تعریف پر بھی ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا اظہار علامہ ابن حزم نے کیا ہے:

"لا یسلم هذا ایضاً من اعتراض لان ھذا یعتبر حدا للشذوذ ولا رسما ثم ان معرفة اجماع جمیع العلماء علی امر ثم خروج احدھم عده امر متعسر"([13])

"یہ تعریف بھی اعتراض سے محفوظ نہیں ہے کیونکہ اس میں تعریف بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام علماء کے کسی امر پر اجماع کے بعد اس سے خروج بظاہر محال اور ناممکن ہے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا تعریف پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اس کے بعد علامہ ابن حزم نے شاذ کی تعریف کی جس میں لکھتے ہیں:

"ھو مخالفة الحق"([14])

"شاذ سے مراد حق کی مخالفت ہے۔"

چونکہ اجماع امت کو ادلہ شرعیہ میں ایک حجت و دلیل پشت خاص ہے اس لئے اس سے انحراف کو مخالفت حق کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حزم لکھتے ہیں۔

"فلما لم یجز ان یکون الحق شذوذا ولیس الا حق او باطل صح ان الشذوذ ھو الباطل"([15])

"حق کا شاذ ہونا ایک مسلمہ امر ہے۔ اور حق اور باطل ہی دو صورتیں ہیں شذوذ کا باطل ہونا درست و صحیح ہے۔"

اگر تفکر و تدبر سے دیکھا جائے تو ابن حزم کی یہ تعریف درست نظر نہیں آتی کیونکہ اس تعریف کی لغوی معنی کے ساتھ مناسبت نہیں ہے۔ اس پہلو کی تائید صالح بن علی الشمراتی کی عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں

"الا ان ما رجحه ابن حزم لایصلح ان یکون حدا للشذوذ اذ لا ترابط بین ما ذکره و بین المعنی اللغوی للشذوذ بل ما ذکره یصلح ان یکون جدا للباطل بالمقابلة ای ان الباطل ما خالف الحق"([16])

"جس تعریف کو علامہ ابن حزم نے اختیار کیا ہے اس میں حد کی تعریف ہونے کی صلاحیت نہیں ہے کیونکہ اس تعریف اور شذوذ کے لغوی معنی میں کوئی مناسب نہیں پائی جاتی بلکہ یہ تو باطل کی تعریف ہے کیونکہ باطل ہی حق کا مخالف ومقابل ہوتا ہے۔"

یوں علامہ ابن حاجب کی مختار تعریف میں موجود سقم کی بناء یہ قابل التفات نہیں رہتی کہ اسے شاذ کی تعریف کے طور پر قبول کیا جائے۔

علامہ ابن حاجب نے کشف النقاب میں شاذ کی تعریف یوں کی ہے۔

"هو ما ضعف دلیله"([17])

"شاذ اسے کہا جائے گا جس کی دلیل کمزور ہو۔"

اس تعریف میں علامہ صاحب نے شاذ کی تعریف میں اس کی دلیل کے ضعیف ہونے کو اس کے شاذ ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی علامہ ابن حاجب نے دیگر اقوال و تعریفات کا خلاصہ ذکر فرمایا ہے۔

کہ "شاذ مشہور کا مقابل ہوتا ہے یا راجح کا مقابل ہوتا ہے یا صحیح کا مقابل ہوتا ہے، یا اصح کا مقابل ہوتا ہے یا اظہر صاحب کا مقابل ہوتا ہے۔"([18])

اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاذ مرجوح رائے یا ضعیف رائے یا غریب رائے کو کہا جائے گا۔

البتہ اگر شاذ کی ایسی تعریف تلاش کی جائے جو حقیقتاً جامع و مانع ہو تو اختصار کے اعتبار سے علامہ شمرانی کی تعریف سب سے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کی تمام حدود کا تعین بھی بہت باریک بینی سے کیا گیا ہے۔بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شمرانی نے یہ تعریف سابقہ تمام تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے کی ہے۔

وہ لکھتے ہیں

"فی الاصطلاح الشذوذ وانه التفرد بقول مخالف للحق بلاحجة معتبرة "([19])

"اصطلاحی طور شذوذ سے مراد حق کے مخالف اور حجت غیر معتبرہ کی بنیاد پر تفرد اختیار کرنا ہے۔"

اس تعریف میں تفرد کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کیونکہ قول شاذ ہمیشہ فرد یا افراد کی جانب سے واقع ہوتا ہے۔ اور امت کا سواد اعظم اس کا مخالف ہوتا ہے۔ اور مخالف حق اس لئے قرار دیا گیا۔ کیونکہ یہ حجت اجماع امت کے خلاف ہوا کرتا ہے۔ اور اس میں بلاحجۃ کی قید اس لئے لگائی تاکہ ضعیف و مرجوح قول نکل جائے۔ کیونکہ اس کی بنیاد ہمیشہ دلیل ہوا کرتی ہے۔ اور معتبرہ کا لفظ لا کر یہ واضح کیا کہ قول شاذ کی بنیاد بھی قائل کے ہاں کوئی کوئی دلیل ہوتی ہے۔ مگر وہ دلیل معتبر نہیں ہوتی کہ اس پر انحصار و اعتماد کیا جائے۔

البتہ اسی تعریف کو مزید وضاحت و توضیح کے ساتھ ڈاکٹر احمد بن علی المبارکی نے ذکر کیا ہے۔

"الشاذ هو التفرد بقول المخالف للسواد الاعظم من المجتهدین بلا مستند من سماع او قیاس او حجة

معتبرۃ"(20)

شاذ ایسا تفرد ہے جو ائمہ مجتہدین کے سواد اعظم کے قول کے خلاف ہو اور سماع، قیاس یا کوئی معتبر دلیل اس کی بنیاد نہ ہو۔

مندرجہ بالا دونوں تعریفات چونکہ عصری مفکرین کی جانب سے متعین کی گئی ہیں۔ان میں ایک اضافی نقطہ یہ سامنے آتا ہے کہ عصری، اصطلاح میں تفرد اور شاذ دونوں مترادف ہیں۔ان میں معنی و مفہوم کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں پایا جاتا ہے۔

جیساکہ علامہ شمرانی فرماتے ہیں

"انہ التفرد"(21)

کہ شاذ تفرد ہی ہے۔

ایسے ہی ڈاکٹر المبارتی نے بھی یوں ہی لکھا ہے

"الشاذ ھو التفرد"(22)

"کہ شاذ وہ تفرد ہی ہے۔"

چنانچہ ان دونوں امثلہ سے متعین ضابطہ کی توضیح ہو رہی ہے۔ کہ شاذ و تفرد دونوں ہم معنی و مفہوم اصطلاحات میں جن میں باہمی فرق محض زمانی و بیانی ہے۔ چنانچہ متاخرین و معاصرین نے شاذ کے متعلقہ مافی الضمیر کے لئے لفظ تفرد کو بیانی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے۔

اور متقدمین کے ہاں اسی کو مفہوم کو شاذ کے لفظ سے بیان کیا جاتا تھا۔ البتہ بعض نے ان میں قدرے مختلف جہات سے فرق کیا ہے۔ جیساکہ طاہر اسلام صاحب لکھتے ہیں۔

میرے رائے میں دونوں (تفرد و شاذ) میں فرق کرنا چاہیے۔اور اس کا تعلق قائل سے ہے اگر تو بدعتی آدمی ہے تو اس کا مخالف دلیل قول شاذ ہوگا اور اگر اہل سنت عالم ہے تو اس کا مرجوح موقف شمار ہوگا۔اور اسے بدعتی قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اصلاً وہ اہل سنت کے طریق و استدلال پر ہے۔" (23)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاذ و تفرد میں معنوی اعتبار سے قدرے فرق ہے مگر حقیقتاً دونوں میں کوئی فرق نہیں جیساکہ ماقبل مباحث سے ثابت ہو چکا ہے کہ دونوں اصطلاحات مترادف ہیں اور ان میں معنوی اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ متقدمین کے ہاں اقوالِ شاذہ کثیر ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کو بدعت کے ساتھ مطعون نہیں کیا گیا۔ لہٰذا انہیں کیسے بدعتی گردانا جاسکتا ہے۔لہٰذا طاہر اسلام صاحب کا قول محلِ نظر ہے۔

تفرد کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

اگرچہ ماقبل بحث سے واضح ہوا ہے کہ تفرد اور شاذ کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں بڑی حد تک مماثلت و مطابقت پائی جاتی ہے۔ مگر بعض لفظی و تعبیری جہات سے قدرے فرق پایا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم بنیادی مآخذ کے اعتبار سے تفرد کے لغوی اور اصطلاحی معنی کا جائزہ لیتے ہیں۔

تفرد کا لغوی معنی:

لفظ تفرد چونکہ ثلاثی مجرد "فَرَدَ" سے لیا گیا ہے اور اس کے بہت سے لیا گیا ہے اور اس کے بہت سی معانی آتے ہیں، جیسا کہ اکیلے ہونا، الگ ہونا، چونکہ عربی میں یوں کہا جاتا ہے "تفرد برأیہ" اس کی رائے الگ ہے "توحد برأیہ" اس کی رائے جدا

ہے۔([24])

یوں کہا جاتا ہے "انفرد بالامر" یعنی وہ الگ ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ وہ اپنی ذات میں منفرد ہے۔

"تفرد بالامر" کا معنی ہے کہ وہ الگ ہو گیا۔([25])

تفرد کا ایک معنی منفرد سوجھ بوجھ اور لوگوں سے الگ ہونا بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "فَرَدَ الرجل" کہ اس بات کو اسی نے سمجھا ہے، وہ لوگوں سے جدا ہے اور امر و نہی کی رعایت میں اکیلا ہے۔([26])

ان تمام لغوی معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ تفرد کا لفظی معنی اکیلا ہونا، جدا ہونا، الگ ہونا، منفرد ہونا وغیرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاذ اور تفرد کے معنی میں ترادف پایا جاتا ہے۔

تفرد کا اصطلاحی مفہوم:

تفردات کے لیے بعض اوقات مفردات کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ دونوں لفظی تعبیرات کے لحاظ سے الگ ہیں البتہ اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ صلاحین کی کتاب مفردات المذہب المالکی فی العبادات میں امام مالکؒ کے تفردات عبادات کو جمع کیا ہے۔

تفردات کی مختلف اصلاحی تعریفات میں سے ذیل میں چند تعریفات ذکر کی جاتی ہیں۔

سالم الثقفی نے مفاتیح الفقہ الحنبلی میں تفردات یا مفردات کی یوں تعریف کی ہے۔

"ھی المسائل التی انفرد بالفتویٰ فیھا احد ائمۃ المذاھب عن بقیۃ المذاھب بحیث لم یوجد منھم لہ فیھا مشارک"([27])

"مفردات ایسے مسائل ہیں جن میں ائمہ مذاہب میں کوئی امام دیگر ائمہ سے فتویٰ میں منفرد ہو۔ اس حیثیت سے کہ اس فتویٰ میں ائمہ میں سے کوئی اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔"

مندرجہ بالا تعریف اگرچہ اپنے مفہوم میں واضح ہے مگر محل نظر ہے کیونکہ تفرد سے مراد تو مذہب میں راجح اور مشہور قول ہوتا ہے فتویٰ یا قول مرجوح مراد نہیں ہوتا کیونکہ بعض اوقات امام کے بجائے اس کے تلامذہ وغیرہ میں سے دیگر کا قول معتمد ہوتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں یہ تفرد نہ کہلائے گا۔

صلاحین نے مفردات المذہب المالکی فی العبادات میں تفرد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"ھی المسائل الفقھیۃ التی انفرد فیھا احد الائمۃ الاربعۃ بقول مشھور فی مذھبہٖ لم یوافقہ فیہ احد من الائمۃ الثلاثۃ الباقین۔" ([28])

"تفردات ایسے فقہی مسائل ہوتے ہیں جن میں کسی مشہور کی بناء پر ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام منفرد ہو۔ جس میں بقیہ تینوں ائمہ میں سے کوئی امام اس کے موافق نہ ہو۔"

اس تعریف میں بھی ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ تفردات کو ائمہ اربعہ پر محصور کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ تفردات تو ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی کسی کے ہو سکتے ہیں۔

البتہ ان میں سے سب سے عمدہ تعریف

"المسائل الفقھیۃ التی خالف فیھا احد المذاھب الاربعۃ فی القول للمعتمد المشھور فی المذھب

الاقوال المعتمدة المشهورة فی المذاہب الثلاثة الباقية“

”تفردات ایسے فقہی مسائل ہوتے ہیں جن میں مذاہب اربعہ میں سے کسی نے قول راجح مشہور فی المذہب کے ذریعہ بقیہ تینوں مذاہب کے اقوال راجحہ مشہورۃ کی مخالفت کی ہو۔“

اس تعریف میں المسائل الفقهية نے دیگر علوم کے مفردات کو نکال دیا۔

ائمةالمذاهب الاربعة نے مذاہب اربعہ کے علاوہ کو نکال دیا۔ اور القول المعتمد المشهور کے ذریعہ غیر معتبر اقوال مرجوح غربیہ خارج ہو گئے۔

الاقوال المذاهب المعتمدة المشهورة فی المذاهب الثلاثة الباقية کے ذریعے مذاہب اربعہ کے علاوہ دیگر مذاہب خارج ہو گئے کیونکہ ان کے اقوال بھی اپنے مذہب میں معتبر ہوتے ہیں۔

لہٰذا تعریف جامع اور مانع ہونے کے اعتبار سے عمدہ ہے۔

تعریفِ شاذ و تفرد اور مذاہب اربعہ:

اگر مندرجہ بالا اصطلاحی بحث کا مذاہب اربعہ کے اعتبار جائزہ لیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصطلاحی طور پر شاذ، صحیح مشہور، اور راجح کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا کہ ضعیف، غریب اور مرجوح رائے کو شاذ کہا جائے گا۔ جیسا کہ علامہ زرکشی کی تعریف سے تائید ہوتی ہے۔“ ([29])

حنابلہ کے ہاں قول شاذہ وہ ہے جو جمہور اہل علم اور معتبر دلائل کے خلاف ہو جیسا کہ ابن ندایہ کی تعریف اور امثلہ سے ثابت ہوتا ہے۔ ([30])۔ اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور فقہاء کے ہاں شاذ وہ ہے جو ایک مرد یا قلیل جماعت کی رائے ہو۔ جبکہ حنابلہ کے ہاں شاذ اسے کہا جائے گا جو باطل ہو اور حق کے مقابل ہو۔ اس صورت میں حنابلہ کے ہاں قول شاذ کو کسی بھی علت کی بناء پر اختیار کرنا مطلق طور پر اتباع باطل کے حکم میں آئے گا جو ناجائز اور ممنوع ہے جبکہ جمہور کے ہاں کسی بھی عارض کی بناء پر اسے اختیار کرنا جائز ہوگا۔ اور اس پر فتویٰ جائز ہوگا۔

مذاہب اربعہ میں تفرد اختیار کرنے کا حق صرف مفتی مجتہد اور محقق کو حاصل ہے۔ اور اس سے مراد ایسا شخص ہے جس کو ایسی خداداد صلاحیت اور ملکہ حاصل ہو۔ جس کی وجہ سے اپنے امام کے اصول کے مطابق اجتہاد کرکے جزوی مسائل کی تخریج اور استنباط پر دسترس حاصل ہو۔ ([31])

مجتہد کے لئے اپنے مذہب کو کسی مسئلہ میں اس طور پر عدول کرنا کہ وہ اپنی قوت اجتہاد کے ذریعہ سے نصوص و دلائل پر غور کرنے کے بعد کسی جزئی مسئلہ میں اپنے مذہب کی بجائے کسی دوسرے قول کو راجح سمجھتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کے لئے بلا ضرورت اس قول کو اختیار کرنا جائز ہے۔ اگرچہ اس کے عمل کی وجہ سے تلفیق بھی لازم آرہی ہو۔ اور یہ اس مجتہد کا تفرد کہلائے گا۔ ([32])

مندرجہ بالا بحث سے درج ذیل نکات اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

ایسا عالم جو علوم و فنون میں کامل دسترس رکھتا ہو اس کا تقویٰ و خلوص مسلم ہو۔ اصل و فروع میں اہل حق کا تابع ہو۔ اگر کسی مسئلہ میں جمہور سے الگ رائے اختیار کرے تو اس انفرادی رائے کو تفرد کہا جا سکتا ہے۔

تفرد دیگر افراد کے لئے قابل اتباع نہیں بلکہ قابل رد ہوتا ہے جیسا کہ شرح عقود رسم المفتی میں لکھا ہے۔

کہ محقق ابن ہمام کے تفردات کے بارے میں ان کے تلمیذ خاص علامہ قاسم قطلو بغا فرماتے ہیں "ہمارے شیخ کے تفردات جو جمہور کی رائے اور مذہب مشہور کے خلاف ہیں۔ وہ قابل اتباع نہیں۔" ([33])

تفرد کی شرائط میں سے جو شرطیں اہم ہیں:

ا۔ تفرد اختیار کرنے میں کسی قسم کے عناد وضد اور خواہش نفس کا دخل نہ ہو۔

ب۔ تفرد کا دائرہ عمل ائمہ اربعہ کے مذاہب کے درمیان ہو اور اجماع کی مخالفت لازم نہ آرہی ہو۔ نیز کسی غیر منسوخ صحیح حدیث کی بناپر تفرد اختیار کرے۔

محقق و مجتہد اپنے اجتہاد اور رائے سے اگر ایسا تفرد اختیار کرے جس سے اجماع اور مذاہب اربعہ کی مخالفت لازم آئے تو ایسا تفرد بالاجماع حرام ہے۔ جیساکہ شیخ ابن تیمیہ کے متعدد تفردات کا شمار اس قسم میں کیا جاتا ہے۔ ([34])

البتہ اگر ضرورت شدیدہ ہو یا عموم بلویٰ کی بناء پر عامۃ المسلمین کی رعایت اور مصالح کے مطابق اگر اپنے امام کے قول ضعیف یا مذہب غیر پر فتویٰ صادر کرے تو یہ تفرد نہ ہوگا۔

اپنے مذہب کے قولِ ضعیف یا قول غیر مفتی بہٖ کو اگر مجتہد اپنی فکر کے اعتبار سے قوی خیال کرتے ہوئے تفرد اختیار کرے تو یہ جائز ہوگا۔ ([35])

اس محقق کے لئے اپنے تفرد پر ذاتی طور پر عمل کی اجازت ہے۔ نیز اپنے مذہب کے مخالف ہونے کے باوجود اس قول پر عمل کرنا اس کے لئے جائز ہے۔ کیونکہ مجتہد کے لئے اپنے اجتہاد کردہ مسئلہ کا اتباع لازم ہے۔ ([36])

اہل ھویٰ وضلال کی گمراہیوں اور نفس پرستی اور مغلوبیت کی بناء پر صادر اقوال کو تفرد کا نام نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ انحراف وتقصیر اور بے راہ روی شمار ہوگی۔

تفرد ہمیشہ اقوال ائمہ تک محدود ہوگا۔ خودساختہ اختراعات کو تفردات میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

تفرد ہمیشہ فروعی واجتہادی مسائل میں ہوتا ہے۔ مسلمات وقطعیات میں تفرد روا نہیں ہوسکتا۔ ([37])

اطلاقات شاذ:

فقہاء نے مختلف مقامات میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کسی ضابطے کے تحت کسی قول پر شاذ ہونے لگا اطلاق کیا جائے گا جس کی بناء پر قول شاذ یا تفرد دیگر اقوال سے منفرد والگ ہو جائے۔

چنانچہ امام شاطبیؒ نے دلیل قطعی جیساکہ نص متواتر یا حکم کلی میں اجماع قطعی کی مخالفت پر قول شاذ کا اطلاق کیا ہے۔ اس کے ساتھ بھی دلیل ظنی کی مخالفت جیساکہ خبر واحد اور قیاس جزئی وغیرہ کو ہی تفرد وشاذ میں شمار کیا ہے۔

اس میں دلیل قطعی کی مخالفت کی صورت میں عدم التفات میں کوئی اشکال نہیں۔ مگر تنبیہ کے لئے بعض اوقات اس قول شاذ کو بھی ذکر کردیا جاتا ہے۔ اور دلیل ظنی پر اعتماد کی صورت میں قولِ شاذ کو مجتہد فیہ سمجھا جائے گا۔ ([38])

لہٰذا شذوذ وتفردات میں سے بہت کم اقوال پر بطلان وگمراہی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے اکثر پر منفرد ہونے کی حیثیت سے جمہور کی مخالفت کی بناء پر محض شاذ وتفرد کا نام دیا جائے گا۔

شذوذات، تفردات پر غور وفکر کرنے چند احوال سامنے آتے ہیں۔ جن حالتوں میں کسی قول کو علماء نے شاذ قرار دیا ہے۔

اس قول کا صریح اور صحیح نص کے خلاف ہونا۔

اجماع کے خلاف ہونا۔

کسی قول کے قائلین کا معدودے چند ہونا اور عام اہل علم کا اس کے خلاف ہونا۔

علماء نے اس قول کو معمول بہا نہ بنایا ہو بلکہ اسے ترک کر دیا ہو۔

کسی قول کا اصول شریعت اور قواعد کے مخالف ہونا ان مختلف صورتوں میں کسی قول پر شاذ ہونے کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

اقوال شاذہ اور تفردات کی شرعی حیثیت:

قول شاذ کی دو صورتیں واضح ہونے کے بعد پہلی صورت ایسا قول شاذ جس میں قرآن وحدیث اجماع امت اور قیاس جلی اور شریعت کے مسلمہ قواعد واصولِ استنباط کی صریح مخالفت پائی جاتی ہو۔ اور اس کی بنیاد کسی ایسی دلیل پر ہو۔ جو شریعت میں قابل اعتبار نہیں ہے۔ تو اس قول شاذ پر عمل کرنا، یا اس پر فتویٰ دینا ناجائز اور حرام ہے۔

جیسا کہ شہاب الدین القرافی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"كل شيء افتى فيه المجتهد فخرجت فيتاه فيه على خلاف الاجماع او القواعد اوالنص او القياس الجلى لا يجوز لمقلده ان ينقله للناس ولايفتى به فى دين الله تعالىٰ لان الفتيا بغير شرع حرام فالفتيا بهذا الحكم حرام وان كان المجتهد غير عاص به بل مثاباً عليه لانه بذل جهده على حسب ما امر به"[39]

"ہر ایسی چیز جس میں کسی مجتہد کا فتویٰ اجماع، قواعد شرعیہ، نص یا قیاس جلی کے خلاف ہو۔ تو اس کے لئے فتویٰ دینا یا لوگوں کو بتانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شرعی دلیل کے بغیر فتویٰ دینا حرام ہے۔ لہٰذا اس حکم کے مطابق فتویٰ دینا بھی حرام ہے۔ اگرچہ مجتہد گناہ گار نہیں ہوگا۔ بلکہ حکم کے مطابق اپنی قوت اجتہاد کو صرف کرنے کی بناء پر مستحق ثواب ہوگا۔"

اس صورت میں اس اجتہاد کو اور "**زلة العالم**" کے لفظ سے تعبیر کیا جائے اور اسے گمراہی اور بطلان گردانا جائے گا۔ جس کی اتباع کسی صورت بھی جائز نہیں ہے۔

امام شاطبیؒ نے اس کے متعلق لکھا ہے:

"ان زلة العالم لا يصح اعتمادها من جهةٍ ولا اخذ بها تقليدًا له وذالک لانها موضوعة على مخالفة للشرع ولذالک عدت زلة ولكن لا نسب صاحبها الى الزلل فيها۔"[40]

"کیونکہ تقصیر عالم پر کسی بھی صورت میں اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔ نہ اس کی تقلید کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد شریعت کی مخالفت پر ہے۔ اور یہ بات گمراہی شمار کی جاتی ہے۔ لیکن اس مجتہد پر طعن و تشنیع نہیں کی جائے گی۔"

اس سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس صورت میں شاذ و تفرد کی پیروی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ شریعت کی مخالفت کی وجہ سے یہ امر گمراہی میں شمار ہوگا۔ البتہ اس کی وجہ سے اس مجتہد کی ذات کو محل طنز وطعن بنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں عام لوگوں کے ذہن میں علماء کی حقارت ونفرت پرواں چڑھتی ہے۔ جو دین سے دوری اور استفادہ سے محرومی کا باعث ہے۔

اس قسم کے شاذ اقوال سے احتراز و اجتناب کے بارے میں مختلف اقوال سلف منقول ہیں۔ جن سے معلو ہوتا ہے کہ شریعت میں ان تفردات سے احتراز کی تاکید کی گئ ہے۔

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول حضرت زیادہ بن حذیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

"عن زياد بن حدير رضي الله عنه قال: لى عمر هل تعرف ما يهدم الاسلام قلت لا قال يهدمه زلة العالم وجدال المنافق بالكتاب وحكم الائمة المضلين"([41])

"حضرت زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تم جانتے ہو کون سی چیز اسلام کو منہدم کر دیتی ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں تو فرمانے لگے اسلام کو عالم کا بھٹک جانا، اور منافق کا قرآن کے متعلق جھگڑانا اور گمراہ لوگوں کا حاکم بن جانا منہدم کر دیتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے قول شاذہ کی پیروی اور اتباع کرنا دین اسلام کی جڑوں کو کھو کھلا کرتا ہے۔ للہذا ان سے احتراز اور لازم ہے۔

امام اوزاعی ایسے تفردات کے متعلق فرماتے ہیں:

" من اخذ بنو ادر العلماء خرج من الاسلام" ([42])

"جس شخص نے علماء کے نادر اقوال کو اختیار کیا راہ اسلام سے خارج ہو گیا۔"

اس کی علامت ہے کہ جس نے شذوذات و تفردات علماء کی پیروی کی راہِ راست سے بھٹک جائے گا۔ اور اسلامی تعلیمات کی حقیقت کھو بیٹھے گا۔ کیونکہ اس صورت میں خواہشات کی پیروی کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی بنیاد احکامات پر ہے نہ کہ خواہشات پر۔ چنانچہ ان شذوذات کو معمول بہا بنانا ناروا و ناجائز ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

"لو ان رجلًا عمل يقول اہل الكوفة فی النبيد واهل المدينة فی السماع واهل مكة فی المتعة كان فاسقًا "([43])

"اگر کوئی شخص نبید میں اہل کوفہ سماع میں اہل مدینہ اور متعہ میں اہل مکہ کے قول پر عمل کرتے وہ فاسق ہے۔"

چونکہ تمام اقوالِ شاذہ ہیں۔ اس لئے امام احمد نے ان کے اختیار کرنے پر فسق کا حکم لگایا ہے۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ شذوذات و تفردات کو اختیار کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

"شبه الحكاء زلة العالم بانكسار السفينة لانها اذاغرقت غرق معها خلق كثير"([44])

حکماء نے عالم کے بھٹک جانے کو کشتی کے ٹوٹنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ عبادۃ راوی ہے جب وہ ڈوبتی تو اس کے ساتھ کثیر مخلوق ڈوب جاتی ہے۔

ان تمام اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ اقوال شاذہ اور تفردات کی وہ قسم جو قرآن و حدیث اور شریعت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہو یا اس کی کسی بھی ایسی دلیل پر ہو جس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا تو ایسے اقوال شاذہ پر عمل کرنا اور کے مطابق فتویٰ دینا ناجائز ہے۔ اور ان کے بارے میں علماء کے اقوال اور فرامین ذکر کیئے گئے ہیں نہ جن میں ان کو اختیار کرنے کی پر زور مخالفت و مذمت کی گئ ہے۔

اس کے بعد ہم اقوال شاذہ کی اس قسم کا جائزہ لیتے ہیں جس میں فقہی مذہب میں سے مشہور اور قابل اعتماد رائے کے خلاف قول کو شاذ کہا جاتا ہے جیسا کہ احناف شوافع اور مالکیہ کی رائے سے واضح ہوتا ہے۔

"اس شاذ پر ضرورت وحاجت عموم بلویٰ اور عرف وعادت کی وجہ سے فتویٰ دینا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔" (45)

یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

ضرورت وحاجت کا تحقق حقیقی ہو اس بات کا تقاضہ کرے کہ مشقت کو رفع کیا جائے صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے قول شاذ کو اختیار نہ کیا جائے۔

قول شاذ پر فتویٰ ان مسائل میں نہ ہو جو نص قطعی، اجماع یا قیاس جلی سے ثابت نہ ہوں بلکہ یہ فتویٰ فروعی اجتہادی ظنی مسائل میں دیا جا رہا ہو۔

اس فتویٰ میں مصادر شرعیہ قطعیہ کی مخالفت نہ ہو رہی ہو۔ اور نہ ہی فقہاء کے ایسے اقوال ہوں جن کو جمہور اہل علم گمراہی سمجھتے ہیں۔ جیسے متعہ کا جواز وغیرہ۔

اس قول شاذ پر فتویٰ معاصر فقہاء یا مبتلی بہ نے خود فقیہ ہونے کی حیثیت سے دیا ہو۔ عام آدمی کے لئے از خود ان کو اختیار کرنا درست نہیں ہے۔ (46)

"اس قول پر فتویٰ ایسی صورت میں نہ ہو کہ اس سے تلفیق ممنوع لازم آئے۔" (47)

ذیل میں ان شرائط وضوابط کے تحت ایسی امثلہ ذکر کی جاتی ہیں۔ جن میں ائمہ اربعہ کے اقوال کو چھوڑ کر ان کے مقابلہ میں قول شاذ کی اس دوسری قسم کے تحت مذکور قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

ان میں سے ایک مسئلہ نقود میں وقف کا مسئلہ ہے۔ چونکہ جمہور فقہاء (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ) کے نزدیک وقف کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے۔ کہ جس چیز کو وقف کیا جائے۔ وہ ایسی ہو کہ اگر اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو اس کا وجود ختم نہ ہو جیسے زمین، مکان وغیرہ۔

لہٰذا نقود (دراہم، دنانیر، روپے وغیرہ) میں وقف اس لئے درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان سے انتفاع اس کے وجود کے خاتمہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ اس عدم جواز کو بیان کرتے ہوئے ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

"ان لا يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه كالدنانير والدراهم" (48)

"(ایسی اشیاء میں وقف جائز نہیں) جن کی ذات کے باقی رہتے ہوئے ان سے انتفاع ممکن نہ ہو۔ جیسے دراہم ودنانیر وغیرہ۔

البتہ فقہاء احناف میں صرف محمد بن عبداللہ الانصاری کا قول ہے کہ ایسی صورت میں نقود کا وقف جائز ہے۔ اور ان کا مستدل امام زہری کا منقول اثر ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"و سئل عن الانصاری فی من وقف الدراہم والدنانير أيجوز قال نعم" (49)

"محمد بن عبداللہ انصاری سے پوچھا گیا کہ اس شخص کے بارے میں جس نے دراہم اور دنانیر کو وقف کیا تو کیا ایسا

کرنا جائز ہے؟ توانہوں نے فرمایا کہ ہاں جائز ہے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نقود میں وقف جائز ہے۔ "کہ امام زہری سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک ہزار درہم اللہ کے راستے میں دیے جو ایک غلام کے حوالے کئے جس سے وہ تجارت کرتا تھا۔ اور نفع مساکین اور رشتہ داروں پر خرچ کرتا کہ کیا اس شخص کے لئے نفع جائز ہے اگر اسے مساکین کے لئے خاص نہ کیا ہو۔ توامام زہری نے فرمایا کہ اس کے لئے نفع جائز نہیں ہے۔"

چنانچہ مجلس شرعی نے یہاں پر جمہور فقہاء کے اقوال کو ترک کرکے امام زفر کے شاگرد محمد بن عبداللہ انصاری کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ معاییر الشرعیہ میں منقول ہے

"یجوز وقف النقود یکون الانتفاع بها بمالا یودی الی استهلاکها مع الانتفاع بها"([50])

"نقود کا وقف جائز ہے۔ اور ان سے ایسی صورت میں فائدہ اٹھایا جائے گا تو ان کی اصل ضائع نہ ہو۔"

چنانچہ اس دلیل پر حصص اور صکوک کے وقف کو قیاس کیا گیا ہے۔ اور اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

اس کی دوسری مثال مسئلہ استصناع ہے۔ جس میں جمہور فقہاء مالکیہ شافعیہ، اور حنابلہ تو اسے عقد تسلیم نہیں کرتے بلکہ وعدہ بیع کی حیثیت دیتے ہیں۔ ([51])

البتہ حنفیہؒ اسے عقد تسلیم کرتے ہیں مگر طرفین کے نزدیک عقد غیر لازم ہے۔ کیونکہ مشتری نے اسے دیکھا نہیں جب دیکھے گا تو اسے خیار رؤیت حاصل ہونے کی بناء پر چاہیے تو عقد پورا کرے چاہے تو فسخ کردے۔ ([52])

امام ابو یوسف استصناع کو عقد لازم قرار دیتے ہیں کہ اگر صانع عقد کے شرائط کے مطابق چیز بناتا ہے۔ بنانے والے کو خیار رؤیت حاصل نہ ہوگا کیونکہ رد کرنے کی صورت میں صانع کو ضررِ عظیم لاحق ہوگا۔ ([53])

البتہ استصناع کے جواز میں حنفیہؒ کی دلیل بخاری کی روایت ہے۔

"ان النبیﷺ اصطنع خاتما من ذهب فجعل فصه فی بطن کفه او البسه"([54])

آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جب یقیناً اس سے کے نگینے کو ہتھیلی کی جانب کیا۔

اس حدیث سے استصناع جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

اس بحث میں امام ابو یوسف کا قول جمہور کے خلاف ہونے کی بناء پر قول شاذ کی دوسری اصل عظیم کے پیش نظر مجلس شرعی کے علماء نے اس قول شاذ پر فتویٰ دیا ہے۔

چنانچہ معاییر الشرعیۃ میں لکھا ہے۔

"عقد الاستصناع ملزم للطرفین اذا توافرت فیه شروطه"([55])

عقد، استصناع میں جب تمام شرائط پوری ہوں تو یہ عقد طرفین کو مقدم ہوگا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں سے پر مفتی بہ قول شاذ ہے۔

البتہ بعد میں واضح طور کہ یہاں پر مفتی بہ قول شاذ ہے۔ البتہ بعد واضح پر امام ابو یوسف کے قول کو مستدل بنانے کے حوالے سے لکھا ہے۔

"مستند کون عقد الاستصناع ملزما للطرفین هو قول الاما م ابو یوسف فلو کان للمستصنع

الامتناع عن اخذہ لکان فیه، اضرار بالصانع"[56]

"استصناع کے عقد کو دونوں فریقوں کے لئے لازم قرار دینے کی امام ابو یوسف کا قول ہے۔ اگر خریدار اختیار دیا جائے تو اس صورت میں صانع کو نقصان پہچانا لازم آئے گا۔"

اس مسئلہ میں بھی واضح ہوتا ہے شاذ کی دوسری قسم میں جس میں کسی قول کو جمہور کے خلاف ہونے کی بناء پر شاذ کہا جاتا ہے۔ فتویٰ دیا گیا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ ایسے شاذ پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جو جمہور کے خلاف ہو۔

خلاصۃ البحث:

مندرجہ بالا بحث کے درج ذیل نکات خلاصہ کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں:

1. اصطلاحی طور پر شاذ سے مراد راہِ حق کے خلاف اور غیر معتبر حجت کی بنیاد پر تفرد اختیار کرنا ہے۔
2. تفرد کا لغوی معنی بھی الگ اور جدا ہونا ہے۔ لہٰذا شاذ و تفرد کے لغوی معنی باہم مترادف ہیں۔
3. اصطلاحی طور پر تفرد سے مراد فقہی مسائل میں کسی قول غیر مشہور کے ذریعے بقیہ مذاہب کے اقوال راجحہ و مشہورہ کی مخالفت کرنا۔
4. مذاہب اربعہ میں تفرد اختیار کرنے کا حق صرف مفتی مجتہد اور محقق کو حاصل ہے اور اسے تفرد مجتہد کہا جاتا ہے۔
5. مندرجہ بالا تفرد دیگر افراد کے لئے قابل اتباع نہیں بلکہ قابل رد ہوتا ہے۔ البتہ اسے اپنے تفرد ذاتی پر عمل کی اجازت ہے۔
6. تفردات و شذوذ میں بہت کم اقوال پر بطلان و گمراہی کا اطلاق کیا جائے گا۔ البتہ شاذ کی دونوں اقسام میں قسم اول کو بطلان و گمراہی تصور کیا جائے گا۔
7. شاذ کی قسم اول کی گمراہی پر مختلف فقہاء کے اقوال صریح دلالت کرتے ہیں۔
8. تفردات باطلہ وضالہ کی مثال نماز کی متواترہ ومنقولہ صورت کا انکار ہے۔ ایسے ہی زکوۃ کے متعلق مختلف باطل نظریات کا پیرو ہونا ہے۔ اور حلت سود پر باطل استدلال کرنا۔
9. البتہ شاذ کی قسم ثانی کو مختلف شروط کے ساتھ مفتی بہ قرار دیا جاسکتا ہے۔
10. اس کی امثلہ وقف نقود اور لزوم عقد استصناع وغیرہ ہیں۔ جن میں قول شاذ پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی وحوالہ جات

[1]۔انصاری، محمد بن مکرم، لسان العرب، ج:3، ص:494، 495

Anṣārī, Muḥmmad bin Mukarram, Lisān al 'Arab, Vol:3, PP:494,495

[2]۔رازی، زین الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر الحنفی، مختار الصحاح، بیروت، المکتبۃ العصریۃ، الدار النموذجیۃ، 1420ھ، ص:297

Rāzī, Zayn al Dīn, Mukhtār al Ṣiḥāḥ, (Nāshir: Al Maktabah al 'Aṣriyyah, Bayrūt), P:297

[3]۔زبیدی، محمّد بن محمّد بن عبدالرزاق الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الہدایۃ، س-ن، ج:9، ص:423

Zubaydī, Muḥmmad bin Muḥmmad, Tāj al'Urūs min Jawāhir al Qāmūs, (Nāshir: Dār al Hidāyah), Vol:9, P:423

[4]۔ھروی، محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، ج:11، ص:271

Harawī, Muḥmmad bin Aḥmad, Tahdhīb al Lughah, Vol:11, P:271

[5]۔ابن فارس، احمد بن فارس، معجم المقاییس اللغۃ، ج:3، ص:180

Ibn Fāras, Aḥmad bin Fāras, Mu'jam al Maqaīs al Lughah, Vol:3, P:180

[6]۔ھروی، محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، ج:13، ص:311

Harawī, Muḥmmad bin Aḥmad, Tahdhīb al Lughah, Vol:13, P:311

[7]۔دھش، عبدالرحمٰن بن صالح، ڈاکٹر، الاقوال الشاذۃ فی التفسیر، الریاض، مطبع جامعۃ الامام محمد بن معود، 2004ء، ص:19

Dahash, Dr. 'Abd al Raḥmān bin Ṣāliḥ, Al Aqawāl al Shādhdhah Fī al Tafsīr, (Nāshir: Maṭba' Jāmi'Aḥmad al Imām Muḥmmad bin Ma'būd), P:19

[8]۔سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیۃ، 1411ھ، ج:2، ص:263

Sayūṭī, Jalāl Dīn, 'Abd al Raḥmān bin Abī Bakr, Al Ashbāh wal Naẓā'ir, (Nāshir: Dār al Kutub al 'Ilmiyyah), Vol:2, P:263

[9]۔اندلسی، ابن حزم، علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت، دار الآفاق الجدیدہ، 1403ھ، 1983ء، ص:611

Undlusī, Ibn Ḥazam, 'Alī bin Aḥmad, Al Aḥkām Fī Uṣūl al Aḥkām, (Nāshir: Dār al Āfāq al Jadīdah), P:611

[10]۔ایضاً

Ibid

[11]۔ابن قدامہ، الدمشقی، عبداللہ بن محمد، روضہ الناظر وجنۃ المناظر، المکۃ المکرمۃ، موسسۃ الریاب، 1399ھ، ص:142

Ibn Qudāmah, 'Abdullāh bin Muḥmmad, rawḍAḥmad al Nāẓir wa Jannah al Manāẓir, (Nāshir: Mu'assasah al Rayyāb, Al Makkah al Mukarramah), P:142

[12]۔زرکشی، محمد بن بہادر بن عبداللہ، البحر المحیط فی اصول الفقہ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1403ء، ھ، ص:518

Zarkashī, Muḥmmad bin Bahadar, AL Baḥr al Muḥīṭ Fī Uṣūl al Fiqh, (Nāshir: Dār al Kutub al 'Ilmiyyah, Bayrūt), P:518

[13]۔اندلسی، ابن حزم، علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت، دار الآفاق الجدیدہ، 1403ھ، 1983ء، ج:5، ص:611

Undlusī, Ibn Ḥazam, 'Alī bin Aḥmad, Al Aḥkām Fī Uṣūl al Aḥkām, (Nāshir: Dār al Āfāq al Jadīdah), Vol:5, P:611

[14]۔ایضاً، ص:662

Ibid, P:662

[15]۔ایضاً، ص:661

Ibid, P:661

[16]۔ شمرانی، صالح بن علی، الاقوال الشاذۃ فی بدایۃ المجتہد، ریاض، دار المنہاج، 1428ھ، ص: 41

Shmarānī, Ṣāliḥ bin 'Alī, Al Aqwāl al Shadhdhah Fī Bidāyah al Mujtahid, (Nāshir: Dār al Minhāj, Riayaḍ), P:41

[17]۔ ابن فرحون، ابراہیم بن علی، کشف النقاب الحاجب من مصطلح ابن الحاجب، بیروت، دار الغرب الاسلامی، 1990ء، ص: 90

Ibn farḥūn, Ibrāhīm bin 'Alī, Kashf al Niqāb al Ḥājib min Musṭlaḥ Ibn al Ḥājib), Dār 'Ali Ghurb al Islāmī), P:90

[18]۔ ابن فرحون، ابراہیم بن علی، کشف النقاب الحاجب من مصطلح ابن الحاجب، ص: 90، 91

Ibn farḥūn, Ibrāhīm bin 'Alī, Kashf al Niqāb al Ḥājib min Musṭlaḥ Ibn al Ḥājib), Dār 'Ali Ghurb al Islāmī), PP:90, 91

[19]۔ شمرانی، الاقوال الشاذۃ، ص: 42

Shmarānī, Al Aqwāl al Shadhdhah, P:42

[20]۔ مبارکی، الدکتور، احمد بن علی، القول الشاذ واثرہ فی الفتیا، الریاض، دار العزۃ، 1433ھ، ص: 75

Mubārakī, Dr. Aḥmad bin 'Alī, Al Qawl al Shādh wa Atharuh Fī al Futyā, (Nāshir: Dār al 'Izzah, Riyāḍ), P:75

[21]۔ شمرانی، الاقوال الشاذۃ، ص: 42

Shmarānī, Al Aqwāl al Shadhdhah, P:42

[22]۔ مبارکی، الدکتور، احمد بن علی، القول الشاذ واثرہ فی الفتیا، ص: 76

Mubārakī, Dr. Aḥmad bin 'Alī, Al Qawl al Shādh wa Atharuh Fī al Futyā, P:76

[23]۔ طاہر اسلام، شذوذات و تفردات، لاہور، مکتبہ محدث، 2014ء، ص: 2

Ṭāhir Islām, Shudhūdhāt Wa Tafarrudāt, (Nāshir: Maktabah Muḥaddith), P:2

[24]۔ لسان العرب، ج: 3، ص: 449

Lisān al 'Arab, Vol:3, PP:449

[25]۔ ابراہیم مصطفیٰ، احمد الفریات، حامد عبدالقادر، محمد نجار، المعجم الوسیط، دار الدعوۃ، س۔ن، ج: 3، ص: 679

Ibrāhī, Musṭfā, Aḥmad al Faryāt, Al Mu'jam al Wasīṭ, (Nāshir: Dār al Da'wah), Vol:3, P;679

[26]۔ ھروی، محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، بیروت، داراحیاء التراث العربی، 2000ء، ج: 14، ص: 70

Harawī, Muḥmmad bin Aḥmad, Tahdhīb al Lughah, (Nāshir: Dār Iḥyā' al Turāth al 'Arabī, Bayrūt), Vol:14, P:70

[27]۔ سالم الثقفی، مفاتیح الفقہ الحنبلی، ص: 4

Sālim al Thaqafī, Mafātīḥ al Ḥambaly, P:4

[28]۔ مفردات المذہب المالکی، ص: 4

Mufradāt al Madhhab al Mālikī, P:4

[29]۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر، ردالمحتار علی الدر المختار، ج: 1، ص: 252

Ibn 'ābidīn, Muḥammad Amīn bin 'Umar, Rad al Muḥtār 'alā al Dur Muḥtār, Vol:1, P:252

[30]۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد بن محمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، 1388ھ، ج: 6، ص: 252

Ibn Qudāmah, ʿAbdullah bin Aḥamad bin Muḥammad, Al Mughnī, (Nāshir: Mktabah al Qāhirah), Vol:6, P:252

31۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، البحر الرائق، شرح کنز الدقائق، بیروت، دار الکتب الاسلامیہ، ج:6، ص:37

Ibn Najīm, Zain Al dīn bin Ibrāhīm, Al Baḥar Al Rā'iq Sharḥ Kanz al Daqā,iq, (Nāshir: Dār Al Kutub al Islāmiyyah), Vol:6, P:37

32۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار، ج:1، ص:174

Ibn 'ābidīn, Muḥammad Amīn bin 'Umar, Rad al Muḥtār 'alā al Dur Muḥtār, Vol:1, P:174

33۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر، شرح عقود رسم المفتی، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ، ص:118

Ibn 'ābidīn, Muḥammad Amīn bin 'Umar, Sharḥ 'Uqūd Rasm al Muftī, (Nāshir: Dār al Fikr, Bayrūt), P:118

34۔ ابن حجر، مکی، فتاویٰ حدیثیہ، ص:87

Ibn Ḥajar, Makkī, Fatāwā Ḥadīthiyyah, P:87

35۔ فتاویٰ تاتارخانیہ، ج:3، ص:256

Fatāwā Tātārkhāniyyah, Vol:3, P:256

36۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر، شرح عقود رسم المفتی، دار الفکر-بیروت، ۱۴۱۲ھ، ص:191

Ibn 'ābidīn, Muḥammad Amīn bin 'Umar, Sharḥ 'Uqūd Rasm al Muftī, (Nāshir: Dār al Fikr, Bayrūt), P:191

37۔ قاسمی، شبیر احمد، مفتی، فتاویٰ قاسمیہ، دیوبند، مکتبہ اشرفیہ، 1437ھ، ج:1، ص:182

Qāsmī, Shabīr Aḥmad, Fatāwā Qāsmiyyah, (Nāshir: Maktabah Ashrafiyyah, Diyūband), Vol:1, P:182

38۔ الموافقات، ج:5، ص:139

Al Muwāfaqāt, Vol:5, P:139

39۔ قزافی، شہاب الدین، احمد بن ادریس بن عبدالرحمٰن، الفروق، القاہرہ، دار احیاء التراث العربیہ، 1431ھ، ج:2، ص:198

Qazāfī, Aḥmad bin Idrīs bin 'Abd al Raḥmān, Al Furūq, (Nāshir: Dār Iḥyā' al Turāth al 'Arabiyyah, Al Qāhirah), Vol: 2, P:198

40۔ قرطبی، ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ بن محمد، الجامع لاحکام القرآن، موسسۃ الرسالہ، 1427ھ، ج:10، ص:131

Qurtabī, Yūsuf bin'Abduulah bin Muḥmmad, Al Jāmi' li Aḥkām al Qurān, (Nāshir: Mu'assasah al Risālah), Vol:10, P:131

41۔ دارمی، ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن، سنن الدرامی، رقم الحدیث 214 ج:1، ص:82

Dārmī, Abū Muḥmmad 'Abdullāh bin 'Abd al Raḥmān, Sunan al Dārmī, Ḥadīth No: 214, Vol:1, P:82

42۔ شعب الایمان، رقم الحدیث:21446، ج:10، ص:211

Shu''Abd al Raḥmān al Īmān, Ḥadīth No: 21446, Vol:10, P:211

43۔ شیبانی، ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد، امام، مسند احمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ، ج:1، ص:449

Shaybānī, Aḥmad bin Ḥambal, Musnad Aḥmad binḤambal, (Nāshir: Mu'assasah al Risālah), Vol:1, P:449

44۔ قرطبی، ابن عبدالبر؛ یوسف بن عبداللہ بن محمد، جامع بیان العلم وفضلہ دار ابن الجوزی، 1414ھ، ج:2، ص:982

Qurtabī, Ibn 'Abd al Bar, YuṢuf bin 'Abdullāh, Jāmi' bayān al 'elam wa Faḍlihī, (Nāshir: Dār Ibn al Jawzī), Vol:2, P:982

45۔ وھبۃ الزحیلی، الضوابط الشرعیۃ للاخذ بایر المذاہب، بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1415ھ، ص:68

Wahbah al Zuhaylī, Al Ḍawābiṭ al Shar'iyyah lil Akhdh Bil Usr, (Nāshir: Dār Iḥyā' al Turāth al 'Arabī, Bayrūt), P:68

[46]۔الفتاویٰ الفقھیۃ الکبریٰ، ج:4، ص:314

Al Fatāwā al Giqhiyyah al Kubrā, Vol:4, P:314

[47]۔ابن تیمیہ، الفتاویٰ الکبریٰ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1408ھ، ج:6، ص:145

Ibn Taymiyah, Al Fatawā al Kubrā, (Nāshir: Dār al Kutub al 'Ilmiyyah, Bayrūt), Vol:6, P:145

[48]۔ابن قدامہ، ابو محمد، عبداللہ بن احمد، المغنی، مصر، مکتبہ القاہرہ، ج:6، ص:34

Ibn Qudāmah, ʿAbdullah bin Aḥamad bin Muḥammad, Al Mughnī, (Nāshir: Mktabah al Qāhirah), Vol:6, P:34

[49]۔ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، البحر الرائق، شرح کنز الدقائق، ج:5، ص:219

Ibn Najīm, Zain Al dīn bin Ibrāhīm, Al Baḥar Al Rā'iq Sharḥ Kanz al Daqā,iq, Vol:5, P:219

[50]۔المعاییر الشرعیہ، المعیار الشرعی، رقم 22، الوقف ضابطہ نمبر 3/3/4/3 ص:826

Al Ma'āīr al Shar'iyyah, Al Mi'yār al Shar'ī, No:22, Al Waqf Ḍābiṭah No:3/3/4/3 , P:826

[51]۔کشاف القناع عن متن الاقتناع، ج:3، ص:154

Kashshāf al Qinā' 'An Matn al Iqtinā', Vol:3, P:154

[52]۔سرخسی، شمس الائمہ، محمد بن احمد، المبسوط، بیروت، دار المعرفۃ، 1414ھ، ج:14، ص:148

Saraḥasī, Muḥammad bin Aḥamad, Al Mabsūṭ, (Nāshir: Dār Al Ma'rifah, Bayrūt), Vol:14, P:148

[53]۔کاسانی، علاؤالدین، ابوبکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1406ھ، ج:4، ص:95، 96

Kāsānī, Alā al Dīn, Abū Bakar bin Mas'ūd, Badā,i' al Ṣanā,i' fi Tartīb al Sharā,i', (Nāshir: Dār al Kutub al 'Ilmiyyah), Vol:4, P:95, 96

[54]۔بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: 5870

Bukhārī, Al Jāmi' al Ṣaḥīḥ, Ḥadīth No: 5870

[55]۔المعاییر الشرعیۃ، المعیار الشرعی رقم 11، الاستصناع الموازی، ضابطہ، 2/2/1، ص:146

Al Ma'āīr al Shar'iyyah, Al Mi'yār al Shar'ī, No:11, Al Istiṣnā' al Mawāzī, Ḍābitah No: 2/2/1, P:146

[56]۔ایضاً، ص:184

Ibid, P:184